بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مِنہاجُ القاصِدین

تصنیف

امام عبدالرحمٰن ابنِ جوزیؒ

تلخیص

امام احمد بن محمد بن عبدالرحمٰن بن قدامہ مقدسیؒ

اُردو ترجمہ

محمد سلیمان کیلانی

ادارہ معارفِ اسلامی

منصورہ ـــــ لاہور ـــــ پاکستان

کتاب، وارداتِ قلب

- وارداتِ قلب کی تشریح
- دل کی کیفیّات

فصل اوّل

وارداتِ قلب کی تشریح

معلوم ہونا چاہیے کہ انسانی جسم میں سب سے زیادہ اعلیٰ و افضل عضو دل ہے۔ یہی اللہ کو جانتا۔ اس کے لیے عمل کرتا اور اس کی طرف راہنمائی کرتا ہے اور اللہ کے قریب کرنے والا اور صاحب مکاشفہ بھی یہی ہے اور اعضا اس کے تابعدار اور خادم ہیں۔ وہ ان سے اس طرح کام لیتا ہے جیسے بادشاہ غلاموں سے۔ یہ سچ ہے کہ جس نے اپنے دل کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا۔

اکثر لوگ اپنے دل اور اپنے نفس سے بے خبر ہیں، چنانچہ اسی لیے اللہ بندے اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اور اس کا حائل ہونا یہ ہے کہ اس کو اپنی معرفت اور اپنے مراقبے سے روک دے، پس دل اور اس کی صفات کی پہچان دین کی جڑ اور سالکین کے طریقے کی بنیاد ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ دل اپنی اصل فطرت کے لحاظ سے ہدایت کو قبول کرتا ہے اور اپنی طبعی خواہشات اور شہوات کی بنا پر اس سے منہ پھیر لیتا ہے۔ اس کے اندر شیطان اور فرشتوں کے لشکروں کی ہمیشہ جنگ جاری رہتی ہے تا وقتیکہ دل ایک کے لیے فتح نہ ہو جائے۔ پھر وہ اس میں ڈیرہ لگاتا ہے اُسے اپنا وطن بناتا ہے اور دوسرے کا گزر اس میں صرف اختلاس (جھپٹ) کی صورت میں رہ جاتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: من شر الوسواس الخناس[1] (وسوسہ ڈال کر پیچھے ہٹ جانے والے کی برائی سے) اور یہ (شیطان) وہ ہے جو اللہ کے ذکر کے وقت پیچھے ہٹ جاتا ہے اور جب غفلت واقع ہوتی ہے تو اس پر چھا جاتا ہے اور دل سے شیطانی لشکروں کو صرف اللہ کا ذکر ہی ہانک سکتا ہے کیونکہ وہ ذکر کے مقابلے میں نہیں ٹھہر سکتے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ دل کی مثال قلعے کی سی ہے اور دشمن (شیطان) قلعے میں داخل ہونا اُس پر

---

[1] سورۃ الناس۔ آیت: ۵

حکومت کرنا اور غالب آنا چاہتا ہے۔ قلعے کی حفاظت اس کے دروازوں کی نگرانی سے ہی ہو سکتی ہے۔ اور جب تک دروازوں کی پہچان نہ ہو ان کی نگرانی نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح جب تک شیطان کے اندر داخل ہونے کے راستے معلوم نہ ہوں اس وقت تک اس کی مدافعت نہیں ہو سکتی۔

شیطان کے اندر آنے کی راہیں اور دروازے بندے کی صفات ہیں۔ اور وہ بہت سی ہیں، ہم اُن میں سے بڑے بڑے دروازوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو ایسی سڑکوں کی طرح فراخ ہیں جو شیطانی لشکروں کی کثرت سے بھی تنگ محسوس نہیں ہوتیں۔

ان بڑے دروازوں میں سے حسد اور حرص ہیں۔ جب بندہ کسی چیز کی حرص کرتا ہے تو وہ اُسے اندھا بہرہ کر دیتی ہے اور اس کی بصیرت کے نور کو ڈھانپ لیتی ہے جس سے وہ شیطانی راستوں کو پہچانتا تھا۔ اسی طرح جب انسان حاسد ہو گا، تو اُس وقت شیطان کو مداخلت کا موقع ملے گا۔ حریص کی نگاہ میں ہر وہ چیز اچھی ہو گی جو اس کی خواہش تک اس کو پہنچائے اگرچہ وہ خواہش بری اور فحش ہی کیوں نہ ہو۔

ان بڑے دروازوں میں سے غضب، شہوت اور تُندی و تیزی بھی ہے۔ غضب عقل کی تباہی ہے اور جب عقل کا لشکر کمزور ہو جاتا ہے تو شیطان اس پر حملہ کر دیتا ہے اور پھر وہ انسان کے ساتھ کھیلتا رہتا ہے۔ بیان کیا گیا ہے کہ ابلیس کہتا ہے جب کسی بندے میں سختی ہو تو ہم اس کو اس طرح لڑھکاتے ہیں جیسے بچہ گیند کو۔

ان دروازوں میں سے مکان، کپڑوں اور سامان کی خوبصورتی کی محبت بھی ہے۔ شیطان ہمیشہ انسان کو مکان کی تعمیر اور اس کی چھتوں اور دیواروں کی زیب و زینت اور کپڑوں اور سامان کی خوبصورتی کی دعوت دیتا رہتا ہے اور کم عقل انسان ساری زندگی انہی چیزوں میں برباد کر دیتا ہے۔

ان دروازوں میں سے سیر ہو کر کھانا بھی ہے کہ اس سے شہوت طاقت پکڑتی ہے اور وہ طاعت سے رُک جاتا ہے۔ علاوہ ازیں ان میں سے لوگوں کی چیزوں کی طمع بھی ہے۔ جو آدمی کسی چیز کی طمع رکھے گا وہ اس کی ایسی تعریف کرے گا جو اس میں نہیں ہو گی اور اس سے مداہنت کرے گا اور اسے بھلائی کا حکم نہ دے گا اور برائی سے روک نہیں سکے گا۔

ان دروازوں میں سے جلد بازی اور تحقیق نہ کرنا بھی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جلد بازی

شیطان سے ہے اور غور و فکر کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے"۔

ان دروازوں میں سے مال کی محبت بھی ہے۔ جب یہ دل میں راسخ ہو جاتی ہے تو دل کو بگاڑ دیتی ہے، اسے ہر طرح سے مال جمع کرنے پر آمادہ کرتی ہے۔ اسے بخیل بنا دیتی اور تنگدستی سے ڈراتی ہے یہاں تک کہ انسان کو لازمی حقوق سے بھی روک دیتی ہے۔

ان دروازوں میں سے عوام کو مذہبی تعصب پر اُبھارنا اور دین کے تقاضوں کے مطابق عمل نہ کرنا بھی ہے۔

ان دروازوں میں سے عوام کو اللہ تعالیٰ کے اور اس کی صفات کے متعلق سوچنے اور ایسے امور پر غور کرنے پر آمادہ کرنا بھی ہے جہاں تک ان کی عقلیں نہ پہنچ سکیں۔ یہاں تک کہ ان کو اصل دین کے متعلق شک میں ڈال دیا جائے۔

ان دروازوں میں سے مسلمانوں پر بدگمانی بھی ہے، جو مسلمان سے بدگمان ہو گا وہ اس کو حقیر سمجھے گا۔ اُس کے متعلق زبانِ طعن دراز کرے گا اور اپنے آپ کو اس سے بہتر سمجھے گا۔ بدگمانی گمان کرنے والے کی خباثت سے ظاہر ہوتی ہے کیونکہ مومن، مومن کا عذر قبول کرتا ہے اور منافق اس کے عیبوں کو کریدتا ہے۔ انسان کو تہمت لگنے کے مقامات سے پرہیز کرنا چاہیے تاکہ اس کے متعلق بُرا گمان نہ ہو۔

یہ کچھ حصہ تھا شیطانی راستوں کے تذکرے کا۔ اور ان آفات کا علاج یہ ہے کہ بُری صفات سے دل کو پاک کر کے ان راستوں کو بند کیا جائے۔ اور ان شاءاللہ ان صفات پر آئندہ تفصیلی گفتگو ہو گی۔

جب دل سے بُری صفات کی جڑیں اکھیڑ دی جائیں گی تو بھی دل میں شیطانی خیالات کا گزر تو ہو گا لیکن وہ پائیدار نہ ہوں گے۔ ان خیالات کو اللہ کا ذکر روک سکتا ہے اور دل کی آبادی تقویٰ سے ہے۔

شیطان کی مثال اس بھوکے کتے کی سی ہے جو تمھارے پاس آیا پھر اگر تمھارے سامنے گوشت اور روٹی نہیں ہو گی تو وہ تمھارے دُر دُر کہنے سے چلا جائے گا اور اگر تمھارے سامنے یہ چیزیں ہوں اور کتا بھوکا ہو تو وہ صرف ڈانٹنے سے نہیں جائے گا۔ بس اسی طرح وہ دل ہے جو شیطان کی خوراک سے خالی ہو تو صرف ذکر سے شیطان وہاں سے چلا جائے گا، لیکن جس دل پر خواہشات غالب آ چکی ہوں وہ ذکر کو اپنے کناروں پر روک دیتا ہے۔ ذکر اس کے مرکز میں راسخ نہیں ہوتا، کیونکہ مرکز میں تو شیطان ڈیرہ لگا لیتا ہے۔ اگر تم اس کی صداقت معلوم کرنا چاہو تو اپنی نماز پر غور کرو اور دیکھو شیطان کس طرح

اس وقت دل میں خیالات ڈالتا ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ دل کے خیالات معاف کر دیے گئے ہیں اور ارادہ بھی خیالات میں شامل ہے۔ جس نے اللہ سے ڈر کر گناہ کا ارادہ چھوڑ دیا اس کے لیے نیکی لکھی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اگر کسی رکاوٹ کی وجہ سے نہ چھوڑے تو بھی اس میں نرمی کی توقع ہے۔ ہاں اگر پختہ ارادہ ہو تو پھر نہیں کیونکہ گناہ پر پختہ ارادہ کرنا بھی گناہ ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب دو مسلمان تلوار اُٹھا کر آمنے سامنے آجائیں تو قاتل اور مقتول دونوں جہنمی ہیں۔" پوچھا گیا: "مقتول کیوں دوزخی ہے؟" تو فرمایا: "کیونکہ وہ بھی اپنے ساتھی کو قتل کرنے کی خواہش رکھتا تھا۔"

اور ارادے پر مواخذہ کیوں نہ ہو، جبکہ اعمال کا دارومدار نیّت پر ہے۔ کبر، ریا اور عُجب وغیرہ یہ سب باطنی امور ہی تو ہیں۔ اگر کوئی آدمی اپنے بستر پر کسی اجنبی عورت کو پائے اور اُسے اپنی بیوی سمجھ کر اُس سے صُحبت کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ اور اگر اپنی بیوی کو اجنبی سمجھ کر اس سے مجامعت کرلے تو وہ گنہگار ہوگا اور یہ سب کچھ دل کے ارادے ہی سے تو ہے!

فصل دوم

دل کی کیفیات

حدیث میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دُعا مانگا کرتے تھے: "اے دلوں کو پھیرنے والے ہمارے دلوں کو اپنے دین پر ثابت رکھ۔ اور اے دلوں کو پھیرنے والے ہمارے دلوں کو اپنی طاعت پر لگا دے"۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ: "دل کی مثال پرندے کے پر کی سی ہے جسے ہوائیں جنگل میں اُلٹ پلٹ کرتی رہتی ہیں"۔

معلوم ہونا چاہیے کہ بھلائی یا برائی پر ثابت رہتے یا ان میں متردد ہونے میں دل تین طرح کے ہیں:

پہلا۔ وہ جو تقویٰ سے آباد ہے۔ ریاضت سے پاک ہو چکا ہے اور بُرے اخلاق سے صاف ہے۔ اس دل میں غیب کے خزانوں سے بھلائی کے خیالات آتے رہتے ہیں اور فرشتہ رہنمائی کرتا رہتا ہے۔

دوسرا۔ وہ جو ذلیل ہے۔ اس میں خواہشات بھری ہیں یا اس میں گندگیاں ٹھونسی گئی ہیں اور بُرے اخلاق سے آلودہ ہے۔ اس پر شیطان کا غلبہ رہتا ہے۔ کیونکہ اس کے لیے جگہ بڑی فراخ ہے اور ایمان کا داعیہ کمزور ہو جاتا ہے۔ دل خواہشات کے دھوئیں سے بھر جاتا ہے اور روشنی ختم ہو جاتی ہے، گویا ایسے ہو جاتا ہے جیسے آنکھ دھوئیں سے بھری ہو۔ اس حالت میں وہ دیکھ نہیں سکتی۔ ایسے دل پر وعظ و نصیحت کچھ بھی اثر نہیں کرتا۔

تیسرا: وہ ہے جس میں مختلف خیالات آتے ہیں۔ بُرے خیالات آتے ہیں تو وہ اسے برائی کی دعوت دیتے ہیں۔ پھر ایمان کے خیالات آتے ہیں تو وہ اسے نیکی کی دعوت دیتے ہیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ شیطان عقل پر حملہ کرتا ہے اور بُری خواہش کے جذبے کو طاقت دیتا ہے۔ کہتا ہے کیا تو فلاں فلاں کو نہیں دیکھتا کہ وہ اپنی خواہشات میں کیسے آزاد ہیں۔ یہاں تک کہ علما کی ایک جماعت کو بھی گنتا ہے؛ چنانچہ نفس شیطان کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ پھر فرشتہ شیطان پر حملہ کرتا ہے اور انسان سے کہتا ہے۔ دنیا میں صرف وہی ہلاک ہوئے ہیں جو عاقبت کو بھول گئے۔ تم لوگوں کی غفلت سے دھوکہ نہ کھاؤ۔ اگر گرمی

کے موسم میں لوگ دھوپ میں کھڑے ہوں اور تمھارے پاس ٹھنڈا مکان ہو، تو کیا تم لوگوں کی موافقت کرو گے یا اپنی مصلحت دیکھو گے ؟ اور جب تم سورج کی گرمی میں اُن کی مخالفت کرو گے تو ان کاموں میں کیوں مخالفت نہیں کرو گے جن کا انجام دوزخ ہے ؟ اب نفس فرشتے کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور دونوں لشکروں میں کشمکش شروع ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ دل پر وہ غالب آ جاتا ہے جو اس کا زیادہ حقدار ہے، جو بھلائی کے لیے پیدا ہوا اس کے لیے بھلائی آسان ہو جاتی ہے اور جو برائی کے لیے پیدا ہوا اس کے لیے برائی: فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ (جسے اللہ ہدایت دینے کا ارادہ کرتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے اور جسے گمراہی میں رکھنا چاہتا ہے اُس کا سینہ نہایت ہی تنگ کر دیتا ہے جیسا کہ وہ آسمان میں چڑھتا ہے) اے اللہ ہمیں اپنے پسندیدہ کاموں کی توفیق عطا فرما۔

---

[1] سورۃ الانعام - آیت : ۱۲۵

کتاب الاخلاق

- ریاضتِ نفس اور تہذیبِ اخلاق
- تہذیبِ اخلاق
- امراضِ دل کی علامات اور اپنے نفس کے عیب معلوم کرنے کا طریقہ
- اچھی بُری خواہشات
- اچھے اخلاق کی علامات
- ابتدائی عمر میں بچوں کی ریاضت
- آخرت کا خوف

فصل اوّل

ریاضتِ نفس اور تہذیبِ اخلاق

معلوم ہونا چاہیے کہ حُسنِ خلق انبیاء اور صدیقین کی صفت ہے اور بُرے اخلاق مہلک زہر ہیں، جو انسان کو شیطان کی لڑی میں پرو دیتے ہیں اور ایسی روحانی بیماریوں میں مبتلا کرتے ہیں جن سے ہمیشہ کے لیے عزت برباد ہو جائے، تو چاہیے کہ تم پہلے بیماریوں کو پہچانو اور پھر ان کے علاج میں کمرِ ہمت باندھو۔ ہم مختصر طور پر روحانی امراض اور ان کے علاج کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ آئندہ یہ بحث ان شاء اللہ تعالیٰ بڑی تفصیل سے آئے گی۔

معلوم ہونا چاہیے کہ لوگوں نے حُسنِ خُلق کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے اس کی حقیقت کو بیان نہیں کیا، بلکہ اس کے نتائج و ثمرات بیان کیے ہیں اور پھر ثمرات بھی سارے بیان نہیں کیے، بلکہ جو کچھ کسی کے ذہن میں آیا لکھ دیا۔

اصل بات یہ ہے کہ اکثر حُسنِ خُلق کو حُسنِ خَلق کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے فلاں اچھے خُلق اور خَلق والا ہے، یعنی اس کا ظاہر اور باطن دونوں اچھے ہیں۔

خَلق سے مراد ظاہری صُورت ہے اور خُلق سے مراد باطنی صورت اور یہ اس لیے کہ انسان جسم اور روح سے مرکب ہے۔ جسم تو ظاہری آنکھ سے نظر آتا ہے، لیکن روح بصیرت (دل کی آنکھ) سے معلوم ہوتی ہے۔ دونوں کی ایک شکل وصورت ہے۔ اچھی یا بُری۔ اور روح جسے بصیرت سے دیکھا جاتا ہے وہ اس جسم سے زیادہ قیمتی ہے جو آنکھ سے نظر آتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس کے معاملے کو بلند فرمایا اور کہا: إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِنْ طِينٍ فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي[1] (میں مٹی سے ایک آدمی پیدا کرنے والا ہوں جب میں اس کو برابر کر لوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں)

---

[1] سورۃ حجر۔ آیت: ۲۹

یہاں بتایا یہ گیا کہ جسم تو مٹی کی طرف منسوب ہے لیکن روح کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔ تو خُلق نفس کی اس ہیئتِ راسخہ کا نام ہے جس سے افعال بغیر کسی فکر کے آسانی اور سہولت سے صادر ہوں۔ پھر اگر وہ افعال اچھے ہوں، تو اس کا نام اچھا خُلق ہے اور اگر بُرے ہیں تو بُرا خُلق۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اخلاق کے تبدیل ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، جیسے کہ ظاہری شکل کو تبدیل کرنا ناممکن ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اخلاق ناقابلِ تغیر ہوتے تو وعظ و نصیحت کا کوئی معنی ہی نہ ہوتا۔ تم اخلاق کی تبدیلی کا انکار کیسے کر سکتے ہو حالانکہ دیکھتے ہو کہ وحشی جانور بھی مانوس ہو جاتے ہیں۔ کُتّے کو شکار "نہ کھانا" سکھایا جاتا ہے اور گھوڑا اچھی چال اور بہترین فرمانبرداری سیکھ جاتا ہے۔ ہاں یہ فرق ضرور ہے کہ بعض طبیعتیں اصلاح جلد قبول کر لیتی ہیں اور بعض مشکل سے۔

جس شخص کا یہ عقیدہ ہے کہ جبلّت تبدیل نہیں ہوتی اُسے معلوم ہونا چاہیے کہ ان صفات کو پوری طرح ختم کرنا مقصود نہیں۔ ریاضت کا مقصد صرف یہ ہے کہ خواہش کو اعتدال پر رکھا جائے جو کہ افراط اور تفریط کے درمیان ہے۔ پوری طرح ختم کرنا کوئی اچھا مقصد بھی نہیں کیونکہ شہوت (خواہش) کو بھی جبلّت میں ضروری فائدے کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ اگر کھانے کی خواہش ختم ہو جائے تو انسان ہلاک ہو جائے۔ یا جماع کی خواہش ختم ہو تو نسل منقطع ہو جائے۔ اسی طرح اگر غضب پوری طرح ختم ہو جائے تو انسان مہلک چیزوں سے اپنی مدافعت نہ کر سکے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ[1] (کافروں پر سخت گیر) اور سختی غضب ہی سے پیدا ہوتی ہے اور اگر غضب ختم ہو جائے تو کفار سے جہاد ناممکن ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ[2] (غُصّے کو پی جانے والے) یہ نہیں کہا "غُصّے کو ختم کر دینے والے"۔

اسی طرح کھانے کی خواہش میں بھی اعتدال مطلوب ہے کہ نہ زیادہ کھاؤ اور نہ بہت کم۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا[3] (کھاؤ پیو اور زیادتی نہ کرو)

شیخ، مرید میں غضب اور شہوت کی طرف میلان دیکھے تو بہتر ہے کہ مطلق طور پر اُن کی مذمّت میں مبالغہ کرے، تاکہ اسے درمیان میں لایا جا سکے اور ریاضت کا مقصد بھی اعتدال پر لانا ہوتا ہے۔ دلیل یہ ہے کہ

---

[1] سورۃ فتح۔ آیت: ۲۹ [2] سورۃ آل عمران۔ آیت: ۱۳۴ [3] سورۃ اعراف۔ آیت: ۳۱

سخاوت ایسا خُلق ہے جو شرعًا مطلوب ہے اور وہ فضول خرچی اور تنگی کے درمیان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی تعریف فرمائی ہے : وَالَّذِیْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا وَلَمْ یَقْتُرُوْا وَکَانَ بَیْنَ ذٰلِکَ قَوَامًا (اور وہ یہ کہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں اور ان کے درمیان ان کی سیدھی راہ ہے)

معلوم ہونا چاہیے کہ یہ اعتدال کبھی تو فطری طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطیہ کے طور پر حاصل ہوتا ہے۔ کتنے ہی بچے پیدائشی طور پر سچے سخی اور حلیم ہوتے ہیں۔ اور کبھی اعتدال کسبی ہوتا ہے، یعنی ریاضت سے حاصل ہوتا ہے اور وہ اس طرح کہ خُلق مطلوب کو پیدا کرنے والے اعمال پر نفس کو آمادہ کیا جائے۔ جو آدمی سخاوت کا خُلق حاصل کرنا چاہے وہ تکلف سے سخیوں کی طرح خرچ کرے، تاکہ یہ اس کی طبیعت بن جائے۔ اسی طرح جو آدمی اپنے اندر تواضع کی صفت پیدا کرنا چاہتا ہو تو وہ تواضع والوں کے کام تکلف سے بھی کرے۔ اسی طرح باقی اخلاقِ حمیدہ بھی ہیں کہ عادت کی اس میں تاثیر ہوتی ہے۔ جیسے کوئی آدمی اگر کاتب بننا چاہے تو وہ کتابت کے کام میں مشغول رہے گا یا فقیہ بننا چاہے تو فقہاء کے فعل تکرار میں مشغول رہے گا۔ یہاں تک کہ اس کے دل پر فقہ کی صفت منقّش ہو جائے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اس کی تاثیر ایک دو دن میں پیدا ہونے کی توقع نہ رکھے ہمیشہ کرتا رہے گا تو اس کی تاثیر ہو گی جیسا کہ بچے کی نشو ونما میں پورا قد دو تین دن میں نہیں ہو جاتا اور ہمیشگی میں بڑی تاثیر ہے۔

اس نقطۂ نظر سے تھوڑی سی عبادت کو بھی حقیر نہ سمجھنا چاہیے بشرطیکہ اس پر مداومت کی جائے۔ اسی طرح تھوڑے سے گناہ کو بھی حقیر نہ سمجھنا چاہیے۔

جیسے فضائل کی باتوں پر ہمیشہ عمل کرنا نفس میں تاثیر پیدا کرتا ہے اور طبیعت کو تبدیل کر دیتا ہے، اسی طرح کام نہ کرنے سے سستی کی عادت ہو جاتی ہے اور آدمی اس کے سبب سے ہر بھلائی سے محروم ہو جاتا ہے۔

کبھی نیک لوگوں کی صحبت سے اخلاقِ حسنہ کا اکتساب کیا جاتا ہے کیونکہ انسان کی طبیعت چور ہے۔ بھلائی برائی کو چراتی ہے۔ میں کہتا ہوں اس کی تائید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے ہوتی ہے کہ "آدمی اپنے دوست کے دین پر ہے۔ ہر کسی کو دیکھنا چاہیے کہ کس سے دوستی رکھتا ہے۔"

---

[1] سورۃ فرقان۔ آیت : ۶۷

فصل دوم

تہذیب اخلاق

یہ تو آپ کو معلوم ہو چکا کہ اخلاق میں اعتدال نفس کی صحت اور اعتدال سے نکل جانا بیماری ہے۔ معلوم ہونا چاہیے کہ روح کے علاج کی مثال بھی بدن کے علاج جیسی ہے۔ جیسے بدن کامل پیدا نہیں ہوتا، بلکہ غذا اور تربیت سے مکمّل ہوتا ہے اسی طرح روح بتدریج درجۂ کمال کو پہنچتی ہے۔ تزکیہ اور تہذیب اخلاق علمی غذا سے مکمّل ہوتی ہے۔

طبیب کا کام یہ ہے کہ صحت کی حفاظت کرے اور اگر کوئی شخص بیمار ہو تو اس کا کام صحت کو واپس لانا ہے۔ اسی طرح نفس ہے کہ جب وہ پاک وصاف اور اخلاقِ حسنہ سے مزیّن ہو تو اس کی حفاظت کرے اور اسے زیادہ طاقت ور بنائے اور اگر اس میں کمال نہ ہو تو اس میں کمال پیدا کرنے کی کوشش کرتا رہے۔

جیسے امراضِ بدنیہ کا علاج بالضد کیا جاتا ہے۔ اگر گرمی ہو تو سردی سے اور سردی ہو تو گرمی سے۔ یہی حال بُرے اخلاق کا ہے۔ برائیاں دل کی بیماریاں ہیں۔ ان کا علاج بھی بالضد ہے جہالت کی بیماری کا علاج علم سے کیا جائے گا اور بُخل کا سخاوت سے، اسی طرح تکبّر کا تواضع سے اور حرص کا پسندیدہ چیز چھوڑ دینے سے۔

جیسے بیمار بدن کی صحت کے لیے بعض اوقات کڑوی دوائیں استعمال کرنی پڑتی ہیں اور مرغوب چیزوں سے پرہیز کرنا پڑتا ہے۔ اسی طرح دل کی بیماریوں میں بھی مجاہدے کی کڑواہٹ اور علاج میں صبر کرنا پڑتا ہے، بلکہ اس میں تو بطریقِ اولیٰ کرنا چاہیے کہ بدنی امراض سے تو موت کی صورت میں نجات مل جاتی ہے لیکن دل کی بیماری ایسا عذاب ہے جو موت کے بعد بھی ہمیشہ رہے گا۔

مُرشد کو چاہیے کہ مریدوں کے روحانی امراض کا علاج ایک ہی خاص فن کی ریاضت سے نہ کرے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلی بات بیماریوں کی پہچان ہے، کیونکہ ہر مریض کا علاج ایک جیسا نہیں ہوتا۔

جب وہ کسی کو امورِ شریعت سے جاہل دیکھے تو اُسے علم سکھائے۔ کسی کو متکبر پائے تو اُسے ایسے اعمال بتائے جن سے تواضع پیدا ہو اور اگر کوئی بڑا غصیل ہو تو اسے حلم اور برداشت کی تعلیم دے۔

اپنے نفس کا علاج کرنے والے کو سب سے زیادہ قوتِ عزم کی ضرورت ہے۔ اگر وہ متردد ہوگا تو اس کی کامیابی بہت مشکل ہے۔ جب وہ اپنے ارادے کی کمزوری معلوم کرے تو اسے سختی سے روکے اور اگر اس کی عزیمت میں کمزوری دیکھے تو اسے سزا دے تاکہ دوبارہ ایسا نہ کرے۔ جیسا کہ ایک آدمی نے اپنے نفس سے کہا تو غیر ضروری باتیں کرتا ہے، میں تجھے ایک سال کے روزوں کی سزا دوں گا۔

امراضِ دل کی علامات اور اپنے نفس کے عیب

معلوم ہونا چاہیے کہ ہر عضو ایک خاص فعل کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ اس کی بیماری کی علامت یہ ہے کہ وہ اس کام کو سرانجام نہ دے سکے، یا وہ کام تو کرے، لیکن اس میں کچھ اضطراب ہو۔ ہاتھ کی بیماری ہے پکڑ نہ سکنا، آنکھ کی بیماری ہے دیکھ نہ سکنا اور دل کی بیماری یہ ہے کہ وہ مخصوص کام نہ کرسکے جن کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے اور وہ ہے علم اور حکمت اور معرفت اور اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی عبادت اور ان چیزوں کو ہر خواہش پر مقدم سمجھنا۔

اگر انسان ہر چیز کو جان لے اور اللہ تعالیٰ کو نہ جانے تو گویا اس نے کچھ بھی نہ جانا۔ معرفت کی پہچان محبت ہے۔ جو اللہ کو پہچانے گا وہ اس سے محبت رکھے گا اور محبت کی علامت یہ ہے کہ اپنی تمام محبوب چیزوں کو اس پر قربان کردے۔ تو جو آدمی کسی محبوب چیز کو اللہ پر ترجیح دے اس کا دل بیمار ہے، جیسا کہ وہ معدہ جو روٹی کھانے پر مٹی کھانے کو ترجیح دیتا ہے۔

اور دل کی بیماری اتنی مخفی ہوتی ہے کہ کبھی بیمار کو بھی اپنی بیماری کا پتہ نہیں چلتا۔ اسی لیے اُس سے غافل رہتا ہے اور اگر جان بھی لے تو کڑوی دوا پر صبر کرنا بڑا مشکل ہو جاتا ہے کیونکہ اُس کی دوا خواہش کی مخالفت ہے اور اگر اس پر صبر کر بھی لے تو کوئی ایسا حاذق طبیب نہیں ملتا جو اس کا علاج کرسکے۔ طبیب تو علماء ہیں اور بیماری اُن پر بھی غالب آچکی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ بیماری لاعلاج ہو چکی ہے۔ یہ علم مٹ چکا ہے اور دلوں کی طب اور دل کی بیماریاں غیر معروف ہو چکی ہیں۔ لوگ ایسے اعمال میں مشغول ہیں جن کا ظاہر عبادت اور باطن عادت ہے اور یہی اصل مرض ہے۔

بیماری سے بچے رہنا اور علاج کے بعد صحت کی طرف لوٹنا اس طرح سے ہے کہ اپنی بیماری کو دیکھے۔ مثلاً اس کی بیماری اگر بخل ہے تو اس کا علاج مال خرچ کرنا ہے لیکن اسراف نہ کرے کہ فضول خرچی کی حد

تک پہنچ جائے تو یہ ایک دوسری بیماری ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی آدمی ٹھنڈک کا علاج اتنی غالب حرارت سے کرے کہ جسم میں حرارت غالب آجائے۔ یہ بھی ایک بیماری ہوگی۔ مطلوب اعتدال ہے۔

اعتدال معلوم کرنا چاہو تو اپنے نفس کو دیکھو۔ اگر مال کا روک رکھنا اور جمع کرنا تمھارے نزدیک زیادہ لذت بخش ہو، مستحق پر خرچ کرنے کے مقابلے میں تو جان لینا چاہیے کہ بخل کی صفت غالب ہے۔ اب مال خرچ کرنے سے اپنے نفس کا علاج کرو۔ اور اگر بے ضرورت خرچ کرنا تمھارے نزدیک زیادہ آسان ہو بہ نسبت روکنے کے، تو تم میں فضول خرچی کی صفت غالب ہے۔ اب ہاتھ روکنے کی طرف توجہ رکھو، پھر ہمیشہ اپنے نفس کا محاسبہ کرتے رہو اور افعال کے مشکل یا آسان ہونے سے اپنے اخلاق معلوم کرتے رہو۔ یہاں تک کہ تمھارے دل کا مال سے تعلق ٹوٹ جائے۔ نہ اس کا میلان جمع کرنے کی طرف رہے نہ خرچ کرنے کی طرف، بلکہ تمھارے نزدیک وہ پانی کی طرح ہو کہ نہ اس کو کسی محتاج کی حاجت سے روکو اور نہ کسی کی حاجت کے لیے اسے خرچ کرو۔ جو دل بھی اس طرح کا ہو جائے گا وہ اس مقام میں اللہ تعالیٰ کے لیے وقف ہوگا۔

نہایت ضروری ہے کہ دنیا کی کسی شے سے بھی اس کا تعلق باقی نہ رہ جائے اور جب دنیا سے کوچ کرے تو اس کے تمام علائق منقطع ہوں۔ کسی طرف بھی اس کی توجہ نہ ہو، نہ اس کے اسباب اسے مزین معلوم ہوں۔ اس صورت میں وہ اپنے رب کی طرف نفسِ مطمئنہ کی طرح رجوع کرے گا۔

دونوں اطراف کے درمیان اعتدالِ حقیقی نہایت ہی مخفی ہے، بلکہ وہ بال سے بھی زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے، تو ضروری ہے کہ جو آدمی دنیا میں اس سیدھے رستے پر قائم رہے وہ آخرت میں ایسے ہی رستے سے گزر سکے اور چونکہ اس پر استقامت بہت ہی مشکل ہے، لہٰذا بندے کو حکم ہے کہ وہ ہر روز کئی مرتبہ دعا کرے: اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ (ہمیں سیدھے رستے پر چلا)

جو استقامت کی طاقت نہ رکھے وہ استقامت کے قرب کے لیے کوشش کرے۔ کیونکہ نجات عملِ صالح سے ہے اور اچھے اعمال اچھے اخلاق ہی سے صادر ہوتے ہیں۔ ہر آدمی کو چاہیے کہ اپنی صفات اور اخلاق کی نگرانی کرے اور یکے بعد دیگرے ان کے علاج میں مشغول ہو جائے۔

اہلِ عزم کو اس معاملے کی کڑواہٹ پر صبر کرنا چاہیے کہ وہ بہت جلد میٹھا ہو جائے گا جیسا کہ بچے کو بعد میں دودھ چھوڑنا اچھا معلوم ہوتا ہے، حالانکہ ابتدا میں وہ دودھ نہیں چھوڑنا چاہتا۔ دودھ چھوڑنے کے بعد اگر اسے ماں کی چھاتی کی طرف لایا جائے تو وہ اسے ناپسند کرتا ہے۔ جس آدمی کو معلوم ہو جائے کہ آخرت کی زندگی کے مقابل دنیا کی عمر بہت تھوڑی ہے تو وہ ہمیشہ کی نعمت کے لیے چند دنوں کے سفر کی مشقت برداشت

کرلیتا ہے۔ صبح کے وقت لوگ رات کے کیے ہوئے سفر کی تعریف کرتے ہیں۔

معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ جب اپنے کسی بندے کا بھلا کرنا چاہتا ہے تو اُس کو اُس کے نفس کے عیوب دکھاتا ہے۔ پھر جس کی بصیرت کامل ہو اس پر اپنے عیوب مخفی نہیں رہتے۔ اور جب وہ عیوب کو پہچان لے گا، تو علاج کی بھی توقع ہوگی، لیکن اکثر لوگ اپنے عیوب سے ناواقف ہیں۔ ان کو اپنے بھائی کی آنکھ کا تنکا تو نظر آتا ہے اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہیں آتا۔

جو آدمی اپنے نفس کے عیوب معلوم کرنا چاہے اس کے لیے چار طریقے ہیں:

پہلا طریقہ یہ ہے کہ کسی کامل شیخ کے سامنے بیٹھے جو اس کو نفس کے عیوب اور ان کے طریقۂ علاج سے مطلع کرے۔ ایسے لوگوں کا اس زمانے میں وجود نایاب ہے۔ اگر کسی کو ایسا آدمی مل جائے، تو اسے طبیب حاذق مل گیا۔ کسی حال میں بھی اس سے الگ نہ ہو۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ کسی دیندار صاحب بصیرت، راستباز کو اپنا دوست بنائے اور اسے اپنے نفس پر نگران مقرر کرے تاکہ وہ اس کو اس کے بُرے اخلاق و افعال پر متنبہ کرتا رہے۔ امیرالمومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے: اللہ اُس آدمی پر رحم فرمائے جو ہمارے عیوب ہم کو بتائے۔"

بیان کیا جاتا ہے ایک دن حضرت سلمان رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو آپ نے اُن سے اپنے عیوب کے متعلق سوال کیا۔ انھوں نے کہا: "میں نے سنا ہے کہ آپ کے دسترخوان پر دو دو کھانے ہوتے ہیں۔ اور آپ نے دو جوڑے کپڑے بنوا رکھے ہیں۔ ایک جوڑا رات کو پہنتے ہیں اور ایک دن کو۔" یہ سُن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا: "ان کے علاوہ بھی کوئی چیز سُنی ہے؟"

کہا: "نہیں"۔ تو آپ نے فرمایا: "یہ دونوں باتیں آئندہ آپ نہ سُنیں گے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کرتے تھے: "کیا میں منافقوں میں سے ہوں؟" اور یہ اس لیے کہ جو آدمی بھی ہوشیاری میں بلند مرتبہ والا ہوگا وہ اپنے نفس کو زیادہ متہم کرے گا۔ ہاں اس زمانے میں ایسے دوست کمیاب ہیں جو مداہنت کو چھوڑ دیں اور عیب کی صحیح طور پر نشاندہی کریں یا حسد کو چھوڑ دیں اور ضرورت سے زیادہ بیان نہ کریں۔

سلف صالحین ایسے آدمیوں کو پسند کرتے تھے جو اُن کے عیوب اُن کو بتائیں، لیکن اس زمانے میں ان آدمیوں کو بہت ناپسند کیا جاتا ہے جو ہمیں ہمارے عیوب سے مطلع کریں۔

بُرے اخلاق بچھوؤں کی طرح ہیں۔ اگر کوئی آدمی ہمیں مطلع کرے کہ ہمارے کپڑے کے نیچے بچھو ہے، تو پھر اُس کا ممنون ہونا چاہیے۔ اور بچھو کو مارنے کی طرف توجہ کرنی چاہیے۔ اور یہ تو ظاہر ہے کہ بُرے اخلاق بچھو سے زیادہ نقصان دہ ہیں۔

تیسرا طریقہ یہ ہے کہ اپنے دشمنوں کی زبان سے اپنے عیوب معلوم کرے کیونکہ دشمن کی آنکھ برائیاں ہی دیکھتی ہے اور یوں کینہ ور دشمن سے آدمی اپنے عیوب کی تشخیص میں زیادہ فائدہ اٹھا سکتا ہے، بہ نسبت مداہنت کرنے والے والے دوست کے جو اُس کے عیوب کی پردہ پوشی کرے۔

چوتھا طریقہ یہ ہے کہ لوگوں میں مل جُل کر رہے اور ان میں جو ناپسندیدہ باتیں دیکھے اُن سے پرہیز کرے

اچھی بُری خواہشات

ہم بیان کر چکے ہیں کہ نفس کی خواہشات کسی نہ کسی فائدے ہی کے لیے ہیں۔ اگر کھانے کی خواہش نہ ہو تو غذا کا حصول نہ ہو اور اگر مجامعت کی خواہش نہ ہو تو نسل منقطع ہو جائے، البتہ اس سلسلے میں اچھی اور بُری خواہش کا فرق ضرور ہے۔ بری بات ناجائز خواہشات ہیں۔ کسی خواہش کا حد سے بڑھ جانا بھی ایسا ہی ہے۔ یہاں کچھ لوگ ایسے ہیں جنھوں نے اس اندازے کو نہیں سمجھا، اس لیے وہ نفس کی تمام خواہشات کو دبا دیتے ہیں۔ حالانکہ نفس کے حق کو ساقط کرنا بھی ظلم ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی بنا پر بھی اس کا حق ہے۔ آپؐ نے فرمایا: "تیرے نفس کا بھی تجھ پر حق ہے۔"

ان میں سے بعض آدمی کہتے ہیں کہ "اتنے برس سے میرا نفس یہ خواہش کر رہا ہے اور میں اس کی خواہش پوری نہیں کرتا۔" یہ حلال سے انحراف اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف ہے۔ کیونکہ آپ حلوا اور شہد استعمال کرتے تھے جو آپ کو مرغوب تھے۔ تو کم علم زاہد کی طرف توجہ نہ کر جس نے مطلق طور پر اپنے نفس کو خواہشات سے محروم کر رکھا ہے۔ وہ انصاف کی بہ نسبت ظلم کے زیادہ قریب ہے۔ ہاں خواہش کو اس وقت چھوڑ دینا چاہیے جب مطلوب شے کا حصول مشکل ہو۔ مثلاً مکروہ طریقے سے حاصل ہوتی ہو یا اس کے پورا کرنے سے عزم ٹوٹتا ہو کہ پھر نفس ہمیشہ اس کی خواہش کرنے لگے یا عبادت میں غفلت واقع ہوتی ہو۔ اس کے سوا نفس کی تقویت کے لیے خواہش کو پورا کرنا ایسے ہی ہے جیسے مریض کا علاج۔ نفس سے نرمی کرنے میں کوئی حرج نہیں، تاکہ وہ عمل کی طاقت پائے۔

فصل چہارم

اچھّے اخلاق کی علامات

بعض اوقات مرید اپنے نفس سے مجاہدہ کرتا ہے، یہاں تک کہ وہ برائی اور گناہ چھوڑ دیتا ہے۔ پھر وہ خیال کرتا ہے کہ اس کے اخلاق اچھے ہو گئے ہیں اور یوں وہ مجاہدے سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ حالانکہ ابھی اسے مجاہدے کی ضرورت ہوتی ہے۔

اچھے اخلاق مومنوں کی صفات کا مجموعہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اوصاف بیان فرمائے ہیں۔ ارشاد ہوا: إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ[1] (مومن وہ ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں۔

أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا[2] (یہی سچے مومن ہیں)

التَّائِبُونَ الْعَابِدُونَ[3] (توبہ کرنے والے عبادت کرنے والے)

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ[3] (اور مومنوں کو خوشخبری سنا)

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ[4] (مومن کامیاب ہو گئے)

أُولَٰئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ[5] (یہی لوگ وارث ہیں)

وَعِبَادُ الرَّحْمَٰنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا[6] (اور اللہ کے بندے وہ ہیں جو زمین پر نرم چال چلتے ہیں) آخر سورۃ تک۔

تو جس کو اپنا حال معلوم کرنا مشکل ہو وہ اپنے نفس کو ان آیات پر پیش کرے۔ ان تمام صفات کا موجود ہونا حُسنِ خُلق کی علامت ہے اور ان تمام علامتوں کا فقدان بداخلاقی کی علامت۔

---

[1] سورۃ انفال - آیت: ۲ [2] سورۃ انفال - آیت: ۴ [3] سورۃ توبہ - آیت: ۱۱۲

[4] سورۃ مومنون - آیت: ۱ [5] سورۃ مومنون - آیت: ۱ [6] سورۃ الفرقان - آیت: ۶۳

بعض صفات کا ہونا اور بعض کا نہ ہونا۔ اخلاق حسنہ کے ہونے نہ ہونے پر دلالت کرتا ہے تو جو موجود ہو اس کی حفاظت میں مشغول رہے اور جو نہیں ہے اسے حاصل کرے۔

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن کی بہت سی صفات بیان فرمائی ہیں اور ان سب کو اخلاق حسنہ میں شمار کیا ہے۔

صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مجھے اُس اللہ کی قسم! جس کے قبضے میں میری جان ہے اس وقت تک بندہ مومن نہیں ہوتا جب تک کہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔"

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے ہمسائے کی عزت کرے۔ اور جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے وہ اچھی بات کہے یا خاموش رہے۔"

ایک اور حدیث میں ہے کہ "سب سے کامل مومن وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں۔"

حُسن خُلق میں سے تکالیف کا برداشت کرنا بھی ہے۔ صحیحین میں ہے کہ ایک اعرابی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر کھینچی۔ یہاں تک کہ آپؐ کے کندھے پر چادر کے کنارے کے نشان پڑ گئے۔ پھر اس نے کہا: اے محمدؐ! اللہ کے اس مال میں سے کچھ مجھے بھی دو جو آپؐ کے پاس ہے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ پھر ہنسے اور پھر اسے دینے کے متعلق حکم دیا۔

جب آپؐ کی قوم آپؐ کو تکلیف دیتی تو آپؐ کہتے "اے اللہ میری قوم کو بخش دے یہ جانتے نہیں ہیں۔"

حضرت اویس قرنی رحمہ اللہ کو جب بچے پتھر مارتے تو کہتے "اے بھائیو! اگر ضرور ہی مارنے ہیں تو چھوٹے چھوٹے مارو تاکہ میری پنڈلی خون آلود نہ ہو کر تم مجھے نماز سے روک دو۔"

حضرت ابراہیمؒ بن ادہم کسی جنگل کی طرف نکلے۔ آپ کو ایک سپاہی ملا۔ اُس نے پوچھا شہر کس طرف ہے؟ آپ نے قبرستان کی طرف اشارہ کیا، تو اُس نے آپ کے سر پر پتھر مار کر زخمی کر دیا۔ پھر جب اسے معلوم ہوا کہ یہ ابراہیمؒ ہیں تو اُن کے ہاتھ پاؤں چومنے لگا تو آپ نے کہا۔ جب اس نے میرے سر پر پتھر مارا تو میں نے اللہ تعالیٰ سے اس کے لیے جنت کا سوال کیا کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ اُس کے مارنے کی وجہ سے

مجھے اجر ملے گا۔ میں نے یہ پسند نہ کیا کہ مجھے تو اس کی وجہ سے بھلائی ملے اور اسے میری وجہ سے برائی ۔

کوئی بزرگ بازار سے گزر رہے تھے کہ مکان کی چھت سے آپ پر راکھ پھینک دی گئی۔ اُن کے ساتھی بولنے لگے تو بزرگ نے کہا "اگر آگ کے مستحق سے راکھ پر صلح ہو جائے تو اُسے ناراض نہیں ہونا چاہیے"

اُن لوگوں کے نفوس ریاضت سے نرم ہو چکے تھے۔ ان کے اخلاق معتدل ہو گئے تھے اور اُن کے باطن کھوٹ سے پاک و صاف۔ اس کا نتیجہ رضا بالقضاء کی صورت میں نکلا۔ جو اپنے نفس میں وہ علامات نہ دیکھے جو ان لوگوں میں تھیں، تو اسے ریاضت پر مداومت کرنی چاہیے تاکہ وہ بھی اس بلند مقام پر پہنچ سکے۔ اس لیے کہ وہ ابھی تک اس مقام تک نہیں پہنچا۔

فصل چہارم

ابتدائی عمر میں بچّوں کی ریاضت

معلوم ہونا چاہیے کہ بچّہ ماں باپ کے پاس امانت ہے اور اُس کا دل ایک سادہ و صاف جوہر۔ وہ ہر نقش کو قبول کر سکتا ہے۔ اگر اُسے نیکی کی عادت ڈالی جائے گی تو اُس کی نشو و نما اُسی پر ہو گی اور اُس کے ماں باپ اور اُستاد اس کے ثواب میں شریک ہوں گے اور اگر اُسے بُرائی کی عادت ڈالی جائے گی، تو اُسی پر بڑھتا چلا جائے گا اور اس کا بوجھ اُس کے سرپرستوں پر ہوگا، تو چاہیے کہ اُسے بُرائی سے بچائیں اور ادب و تہذیب اور اچھے اخلاق سکھائیں۔ بُرے ساتھیوں کے پاس بیٹھنے سے روکیں۔ ناز و نعمت کی عادت نہ ڈالیں اور آرام اور زینت کے اسباب اس کی نظروں میں محبوب نہ بنائیں، کیونکہ وہ بڑا ہو کر پھر انہی کی طلب میں اپنی زندگی برباد کرے گا۔

اوّل عمر ہی سے بچّے کی نگرانی کرنی چاہیے۔ اُسے دودھ پلانے اور پرورش کرنے والی کوئی نیک اور متدیّن عورت تلاش کرنی چاہیے جو حلال کی روزی کھاتی ہو کیونکہ حرام کی خوراک سے حاصل ہونے والے دودھ میں کوئی برکت نہیں ہوتی۔ پھر جب اس میں تمیز کے آثار معلوم ہونے لگیں اور سب سے پہلے شرم و حیا ہوگی اور یہ شرافت کی علامت ہے اور یہ بالغ ہونے کے بعد کمالِ عقل کی بشارت بھی ہے، تو اس کی اسی صفت سے اس کی تادیب اور تہذیب میں مدد لی جائے۔

سب سے پہلے جو صفت بچّے پر غالب آئے گی وہ کھانے کی خواہش ہے، تو چاہیے کہ اُسے کھانے کے آداب سکھلائے اور اُسے عادت ڈالے کہ کبھی کبھی وہ رُوکھی روٹی بھی کھائے تاکہ سالن کو ہر وقت ضروری نہ سمجھے اور اُسے بتائے کہ زیادہ کھانا بُرا اور زیادہ کھانے والا چارپایوں کی طرح ہوتا ہے۔ نیز یہ کہ اُسے سفید کپڑوں کی ترغیب دلائے۔ ریشمی اور رنگین کپڑوں سے پرہیز کرائے اور بتائے کہ یہ عورتوں اور مخنّثوں کا لباس ہے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ اُسے ناز و نعمت میں رہنے والے بچّوں سے الگ رکھے۔ وہ کچھ بڑا ہو جائے (ہمارے ملک میں پانچ یا چھ سال کی عمر) تو اُسے مدرسہ میں قرآن و حدیث اور نیک لوگوں کے حالات کی تعلیم میں مشغول کرے

تاکہ اس کے دل میں نیک لوگوں کی محبت پیدا ہو اور وہ عشقیہ اشعار یاد نہ کرے۔

جب بچے سے کوئی اچھا فعل یا اچھا خلق ظاہر ہو تو اُس پر اُس کی عزت کی جائے اور جس چیز سے وہ خوش ہو اُسے وہ تحفے کے طور پر دی جائے اور لوگوں کے سامنے اس کی تعریف کی جائے۔ پھر اگر کسی وقت اس کے خلاف اُس سے کوئی فعل ظاہر ہو تو اس سے چشم پوشی کی جائے، اُس کے کام کو ظاہر نہ کیا جائے۔ اگر دوبارہ کرے تو اسے پوشیدہ طور پر ملامت کرے اور ڈرائے کہ لوگوں کو میں اس کی اطلاع دے دوں گا۔ زیادہ ڈانٹ ڈپٹ نہ کرے۔ کہ اس سے ملامت کا سننا بے حقیقت ہو جاتا ہے۔ اور اس کے ساتھ گفتگو کرتے وقت اپنی ہیبت کو برقرار رکھے۔

ماں کو چاہیے کہ بچے کو باپ کا خوف دلائے اور اُسے دن کو نہ سونے دے کہ اس سے سستی پیدا ہوتی ہے۔ رات کو سونے سے نہ روکے، لیکن اُسے نرم اور آرام دہ بستر نہ دے تاکہ اس کے اعضاء سخت ہو جائیں اور وہ بستر اور لباس اور طعام میں سختی کا عادی ہو جائے۔ اسے چلنے پھرنے حرکت کرنے اور ورزش کی عادت ڈالے، تاکہ اس پر سستی غالب نہ ہو۔ اُسے ماں باپ کے کمالات یا اپنے کھانے اور لباس پر فخر کرنے سے روکے اور اپنے ساتھیوں سے تواضع سے پیش آنے کی تاکید کرے۔ نیز اس بات سے بھی روکے کہ وہ کسی بچے سے کوئی چیز لے۔ اسے بتائے کہ لینا کمینگی ہے۔ بلندی "دینے" میں ہے۔ اُس کے ذہن سے سونے چاندی کی محبت نکالے اور اُسے عادت ڈالے کہ نہ مجلس میں تھوکے نہ ناک صاف کرے۔ نہ دوسروں کی موجودگی میں جماہی، ہچکی یا انگڑائی لے اور نہ پاؤں پر پاؤں رکھ کر لیٹے۔ زیادہ بولنے سے بھی اُسے روکے۔ عادت ڈالے کہ وہ صرف جواب میں بولے۔ یہ بھی سمجھائے کہ جب کوئی آدمی گفتگو کرے، تو اُسے غور سے سُنے۔ اپنے سے بڑے کے لیے کھڑا ہو جائے اور اُس کے سامنے مؤدب ہو کر بیٹھے۔

بُری گفتگو اور بُرے لوگوں کی مجلس سے روکے، کیونکہ بچوں کی اصلی حفاظت یہ ہے کہ اُن کو بُرے ساتھیوں سے بچایا جائے؛ تاہم مدرسے سے فارغ ہونے کے بعد اُسے اچھے کھیل سے نہ روکا جائے کہ تعلیم و تربیت کی تھکاوٹ سے آرام پائے جیسا کہ کہا گیا ہے: "راحت پانے والے دل نصیحت قبول کرتے ہیں۔"

بچے کو والدین اور اُستاد کی اطاعت اور تعظیم سکھانا چاہیے۔ جب وہ سات سال کا ہو جائے تو اسے نماز کا حکم دے اور طہارت کے چھوڑنے میں چشم پوشی نہ کرے۔ اسے جھوٹ اور خیانت سے ڈرائے اور جب بلوغت کے قریب ہو تو کوئی کام اس کے سپرد کر دے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ کھانا دوا ہے، اور اس کا مقصد یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت کے لیے بدن میں قوّت پیدا ہو جائے۔

یقیناً یہ دنیا فانی ہے۔ موت دنیا کی نعمتیں ختم کر دے گی۔ چاہیے کہ ہر وقت اس کا انتظار رہے۔ عقلمند وہ ہے جو آخرت کا سامان بنا لے۔

اگر بچے کی تربیت صحیح ہو گی تو یہ سب باتیں اس کے دل میں اس طرح بیٹھ جائیں گی جیسے پتھر میں نقش ہوتا ہے۔

حضرت سہل بن عبداللہ نے کہا: "میں تین برس کا تھا اور رات کے وقت کھڑا ہو کر اپنے ماموں محمد بن سوار کو نماز پڑھتے دیکھا کرتا تھا۔ ایک دن انھوں نے کہا: کیا تو اللہ کا ذکر نہیں کرتا جس نے تجھے پیدا کیا ہے؟" میں نے کہا: "میں اس کا ذکر کیسے کروں؟" تو انھوں نے کہا: "اپنے دل میں بغیر زبان ہلائے تین مرتبہ کہو: اللّٰہُ مَعِیَ۔ اللّٰہُ نَاظِرٌ اِلَیَّ۔ اَللّٰہُ شَاھِدِیْ (اللہ میرے ساتھ ہے۔ اللہ مجھے دیکھتا ہے۔ اللہ میرا گواہ ہے) میں نے کئی رات ایسا ہی کیا۔ پھر آپ کو بتایا تو کہا: "اسے ہر رات گیارہ مرتبہ پڑھا کرو۔" میں نے ایسا ہی کیا تو میرے دل میں اس کی لذّت پیدا ہو گئی۔ پھر ایک سال گزر گیا، تو ماموں نے مجھ سے کہا: "جو میں نے تجھے سکھایا ہے اس کو یاد رکھ اور قبر میں جانے تک اس پر مداومت کر۔" چنانچہ میں نے کئی سال تک اس کی پابندی کی اور مجھے اپنے باطن میں اس کی لذّت معلوم ہوئی۔ پھر میرے ماموں نے کہا: "اے سہل! جس کے ساتھ اللہ ہو اور وہ اس کو دیکھ رہا ہو اور وہ اس کا نگران بھی ہو تو کیا ایسا شخص اللہ کی نافرمانی کر سکتا ہے! اللہ کی نافرمانی سے بچ۔"

پھر میں مدرسہ میں چلا گیا اور میں نے چھ یا سات سال کی عمر میں قرآن پاک یاد کر لیا۔ اب میں ہمیشہ روزے رکھتا اور میری غذا جو کی روٹی تھی۔ میں ساری رات قیام بھی کرنے لگا۔"

آخرت کا خوف

معلوم ہونا چاہیے کہ جس نے آخرت کو اپنے دل سے یقینی طور پر دیکھ لیا وہ لازماً اسی کو چاہے گا اور دنیا سے بے رغبت ہو گا۔ جس کے پاس کوڑیاں ہوں وہ ایک نفیس ہیرا دیکھ لے، تو کوڑیوں کی طرف اس کی رغبت نہیں رہے گی۔ اگر اس سے کہا جائے کہ کوڑیوں سے ہیرا خرید لو، تو وہ بڑی جلدی

کرے گا۔

معلوم ہونا چاہیے کہ جس کو اللہ تعالیٰ ان چیزوں پر تنبیہ کر دے۔ اُس کے لیے ضروری ہے کہ گناہوں سے بچے۔ یہ اجتناب گویا ایک قلعہ ہے جس میں وہ محفوظ رہے گا۔ اُس پر لازم ہے کہ نفس کی مخالفت کرے اور وظائف و اوراد میں اعتدال کو ملحوظ رکھے۔

ریاضت کی انتہا یہ ہے کہ دل ہمیشہ اللہ کے ساتھ ہو اور یہ غیر اللہ سے خالی ہونے کے بغیر ممکن نہیں ہے اور یہ خوبی لمبے مجاہدے کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔

یہ ہے مرید کی ریاضت کا طریقہ اور اُس کی تدریجی تربیت۔ باقی رہی ہر صفت میں ریاضت کی تفصیل تو وہ ان شاء اللہ عنقریب آئے گی۔